عبد القدیر *

مصر کا منٹو

وہ بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوا۔ اس کی والدہ کو اس کے سسرال میں قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا گیا۔ اسے اپنی تعلیمی زندگی میں ایک سے زائد بار ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ ایک نشست میں ایک افسانہ لکھا کرتا تھا۔ اس کا فن عروج و زوال کا شکار رہا۔ اس نے اپنے گھر میں ایک کمرا لکھنے کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ اس نے جنس، جنسی مسائل اور خواتین، خاص طور پر سنیما اور فلمی دنیا سے تعلق رکھنے والی خواتین کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ اس نے ان مسائل اور شخصیات کو اپنا موضوع بنایا جنھیں معاشرے میں اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ اس پر فحش نگاری کا الزام لگا۔ اس کی تحریروں پر مختلف عدالتوں میں مقدمات چلے۔ اس پر ناقدین نے یہ الزام لگایا کہ وہ فرائڈ کے نظریات کا پیروکار ہے۔

یہ سب باتیں جب کسی ادبی شخصیت کے بارے میں کی جائیں تو ہمارے ذہن میں جو نام ابھرتا ہے وہ اردو کے مایہ ناز ادیب سعادت حسن منٹو کا ہے۔ لیکن میری مراد مشہور مصری ادیب و صحافی احسان عبد القدوس سے ہے جن پر مذکورہ بالا باتیں اسی طرح صادق آتی ہیں جیسے سعادت حسن منٹو پر۔ وہ سعادت حسن منٹو سے کئی حوالوں سے بہت گہری مماثلت رکھتے ہیں۔ یہ مماثلت ان دونوں کے موضوعات اور فن کے علاوہ ان کی زندگی کے بعض امور میں بھی ہے۔

مثلاً دونوں کا تعلق ان ممالک سے ہے جو تیسری دنیا میں شمار ہوتے ہیں۔ دونوں بیسوی صدی کی دوسری دہائی میں پیدا ہوئے۔ منٹو گیارہ مئی ۱۹۱۲ء کو ہندوستان، جب کہ احسان عبد القدوس اکتیس دسمبر ۱۹۱۹ء کو مصر میں پیدا ہوئے، جب ان دونوں ملکوں کے عوام غیر ملکی سامراجی طاقتوں کی محکومیت کا عذاب سہ رہے تھے۔[۱] احسان عبد القدوس کی والدہ کو فن کی دنیا سے تعلق رکھنے کی بنا پر اس کے سسرال میں قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا گیا۔[۲] اسی وجہ سے فلمی دنیا سے تعلق رکھنے والی خواتین احسان کے اکثر افسانوں کی مرکزی کردار رہیں۔

اسی طرح منٹو کی والدہ منٹو کے والد کی دوسری بیوی تھیں جب کہ ان کی پہلی بیوی زندہ تھیں۔[۳] نیز منٹو کی والدہ خاندان کے باہر سے تھیں جب کہ منٹو کے خاندانی رسوم و رواج کے مطابق شادیاں خاندان میں ہی کی جاتی تھیں۔ ایک اور رائے کے مطابق منٹو کی والدہ کا پہلا نکاح اُس خاندان میں ہوا تھا، گانا بجانا اور ناچنا جن کا پیشہ تھا۔ اس وجہ سے منٹوکی والدہ کو سسرال میں وہ احترام نہ دیا گیا جس کی وہ حقدار تھیں۔[۴] منٹو کی زیادہ تر کہانیاں اس پیشے سے تعلق رکھنے والی خواتین کی خوبیوں اور ان کے مسائل کے گرد گھومتی ہیں۔

دونوں ادیبوں کو زندگی کی ابتدا میں ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ احسان کئی بار سکول میں اور ایک سال لا کالج میں ناکام ہوا۔[۵] منٹو میٹرک کے امتحان میں تین بار ناکام ہوا۔ پھر ایم اے او کالج امرتسر میں تعلیم حاصل کرنے میں ناکام رہا۔[۶] دونوں نے ملتے جلتے حالات میں پرورش پائی۔ احسان کی والدہ انتہائی سخت مزاج خاتون تھیں جب کہ والد نرم مزاج تھے۔[۷] اسی طرح منٹو کی والدہ نرم مزاج اور والد سخت طبیعت کے مالک تھے۔[۸] احسان کی شادی میں اس کی والدہ شریک نہ ہوئی[۹] جب کہ منٹو کی بہن کو اس کے خاوند نے منٹو کی شادی میں شرکت کی اجازت نہ دی۔[۱۰] دونوں نے جب لکھنے کی ابتدا کی تو اُنھیں ان کے والدین نے سختی سے روک دیا۔[۱۱] اسی طرح دونوں نے بچپن میں ڈرامے کے میدان میں قدم رکھنا چاہا لیکن اُنھیں والدین کی جانب سے شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔[۱۲] منٹو کے والد نے تو غصے میں آ کر اس کے تمام آلات تمثیل توڑ ڈالے۔[۱۳] دونوں اپنی پہلی محبت میں ناکام ہوئے۔ منٹو کو کشمیر میں قیام کے دوران میں ایک لڑکی سے محبت ہو گئی تھی جو اس کی اپنی رائے میں ناپختہ محبت تھی لیکن

وہ عمر بھر اس محبت کو بھلا نہ سکا۔[۱۴] اسی طرح احسان کو جب کہ وہ چودہ برس کا تھا، ایک لڑکی سے محبت ہو گئی تھی۔ وہ اس کا بس اسٹاپ پر انتظار کرتا۔ اسے اس کے اسکول تک چھوڑ کر آتا لیکن اس لڑکی کی شادی کسی اور سے ہو گئی۔[۱۵] دونوں نے ابتدا میں اپنے والدین کے خوف سے قلمی نام سے لکھا۔[۱۶] دونوں ادیبوں نے اپنے اپنے گھر میں ادبی سرگرمیوں کے لیے کمرا مخصوص کر رکھا تھا۔ احسان نے اپنے اس کمرے کو ''صومعہ''[۱۷] جب کہ منٹو نے اسے ''دار الاحمر'' کا نام دے رکھا تھا۔[۱۸]

سعادت حسن منٹو اور احسان عبدالقدوس کے سوانحی حالات اس حوالے سے بھی مشابہ ہیں کہ ان کی زندگی میں ادیبوں اور ناقدین نے اپنی ذاتی اور سیاسی مصلحتوں کی بنا پر ان کا مقاطعہ کیے رکھا۔ مثلاً احسان عبدالقدوس کہتا ہے:

> سیاسی لوگ کہتے ہیں کہ میرا تعلق ادب سے ہے اور ادب سے تعلق رکھنے والے مجھے سیاسی شمار کرتے ہیں ...... تو گویا دونوں مجھے اپنانے اور میری ذمہ داری اٹھانے سے انکاری ہیں۔[۱۹]

منٹو کا کہنا ہے:

> پہلے ترقی پسند میری تحریروں کو اُچھالتے تھے اور فخر کرتے تھے کہ منٹو ہم میں سے ہے۔ اب یہ کہتے ہیں کہ منٹو ہم میں سے نہیں ہے۔ مجھے نہ ان کی پہلی بات پر یقین تھا، نہ موجودہ پر ہے۔ پہلے ترقی پسند کہتے تھے کہ منٹو ہم میں سے ہے۔ میں کہتا تھا ٹھیک ہے۔ اب مجھے حلقۂ ارباب ذوق والوں نے اپنا ممبر بنا لیا ہے۔ میں کہتا ہوں ٹھیک ہے۔ مجھ سے کوئی پوچھے کہ منٹو تم کس جماعت میں سے ہو تو میں عرض کروں گا کہ میں اکیلا ہوں، ہر معاملے میں اکیلا ہوں۔[۲۰]

منٹو کی طرح احسان بھی اپنے معاملات میں کسی کی دخل اندازی کا شدید مخالف تھا۔ وہ ریڈیو پر مصری صدر جمال عبدالناصر (۱۹۱۸ء–۱۹۷۰ء) کی فرمائش پر ایک پروگرام تصبحوا علی خیر وتصبحوا علی حب (آپ کی صبح خیر اور محبت والی ہو) نشر کرتا تھا لیکن جب اس کے مخالفین نے اس پروگرام میں دخل اندازی کی اور بعض الفاظ کو احسان کی مرضی کے خلاف تبدیل کرنا چاہا تو احسان نے ریڈیو چھوڑ دیا۔ اسی طرح ۱۹۶۶ء میں احسان نے صحافت کو اس لیے خیر باد کہہ دیا کہ اخبار کے مالک

نے اس کے کالم میں چند الفاظ حذف کر دیے تھے۔[۲۱]

منٹو کے بارے میں ہم سب کے علم میں ہے کہ اس نے دہلی ریڈیو کی نوکری صرف اس بنا پر چھوڑ دی تھی کہ اپندر ناتھ اشک (۱۹۱۰ء – ۱۹۹۶ء) کے ایما پر اس کے ڈرامے میں تبدیلی کی گئی تھی۔[۲۲]

یہ اور اس طرح کے دوسرے مماثلتی پہلو ہمارے اس مقالے کا موضوع ہیں۔ لیکن اس پر تفصیلی بحث سے پہلے مناسب ہے کہ ہم احسان عبد القدوس کے حالات زندگی پر اختصار کے ساتھ گفتگو کر لیں۔

احسان عبد القدوس ۱۹۱۹ء میں قاہرہ میں ایک دینی گھرانے میں پیدا ہوا۔ اس کے والد محمد عبد القدوس پیشے کے اعتبار سے ایک انجینئر تھے، انھیں فن کی دنیا بڑی عزیز تھی۔ محمد عبد القدوس نے گھر والوں کی مخالفت کے باوجود بعض مصری ڈراموں میں حصہ لیا جہاں ان کی ملاقات اپنے زمانے کی مشہور اداکارہ فاطمہ الیوسف سے ہوئی۔ دونوں نے بہت جلد ایک ہونے کا فیصلہ کر لیا اور محمد عبد القدوس نے گھر والوں کی مخالفت کے باوجود فاطمہ سے شادی کر لی۔[۲۳] بدقسمتی سے دونوں کے اندازِ فکر میں شدید اختلاف کی بنا پر یہ شادی زیادہ عرصے نہ چل سکی اور احسان عبد القدوس ابھی رحمِ مادر میں ہی تھا کہ اس کے والدین میں علاحدگی ہو گئی۔[۲۴]

احسان کے پیدا ہوتے ہی اس کے دادا احمد رضوان نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا تا کہ احسان کی تربیت دینی ماحول میں ہو سکے۔ یوں احسان عبد القدوس نے اپنی پھوپھی نعمات ہانم کے ہاں پرورش پائی۔[۲۵] چار سال کی عمر میں اسے ایک دینی مدرسے میں داخل کیا گیا۔ ایک سال بعد اسے برامونی پرائمری اسکول میں داخل کرایا گیا۔ اگلے سال اسے وہاں سے اٹھوا کر سلح دار پرائمری اسکول میں داخلہ دلایا گیا۔ اس سے اگلے سال اسے نیل پرائمری اسکول میں بھجوایا گیا لیکن ایک اسکول سے دوسرے اسکول میں منتقلی احسان کے لیے تعلیمی حوالے سے نقصان کا سبب بنی۔

اگلے سال جب احسان کو خلیل آغا پرائمری اسکول میں بھیجا گیا تو اساتذہ نے اسے پڑھائی میں بہت کمزور پایا۔ اگرچہ وہ تیسری جماعت کا طالب علم تھا لیکن فیصلہ کیا گیا کہ اسے دوبارہ سال اول

میں بھجوایا جائے۔ یوں احسان نے دوبارہ صفر سے ابتدا کی۔[۲۶]

ابتدائی تعلیم کے بعد احسان کو فؤاد الاول ہائی سکول میں داخل کیا گیا۔ یہاں سے تکمیلِ تعلیم کے بعد اس نے لا کالج سے ۱۹۴۲ء میں لا کی سند حاصل کی۔[۲۷]

قانون کی ڈگری حاصل کر لینے کے بعد احسان عبد القدوس نے بطور وکیل عملی زندگی کی ابتدا کی لیکن اسے جلد ہی اس میدان میں اپنی ناکامی کا احساس ہوگیا، چنانچہ وہ اس پیشے کو چھوڑ کر ادب اور صحافت کی دنیا سے وابستہ ہوگیا۔[۲۸]

ابھی احسان چودہ برس کا تھا کہ اسے اپنی پھوپھی زاد بہن کی سہیلی سے جو اس کی پڑوسن بھی تھی، محبت ہوگئی۔ لیکن یہ محبت زیادہ دیر نہ چل سکی اور اس لڑکی کی شادی کسی اور سے ہوگئی۔ دوسری بار وہ عشق میں تب گرفتار ہوا جب لا کالج کے آخری سال میں تھا۔ لڑکی کے والدین نے احسان کو رشتہ دینے سے اس لیے انکار کر دیا کہ وہ اداکاروں کی اولاد سے ہے۔ احسان کی والدہ نے بھی شدید مخالفت کی لیکن احسان کے والد کی بھرپور حمایت کی بنا پر یہ محبت شادی پر منتج ہوئی اور لولا اس کی شریک حیات بنی۔[۲۹]

صحافت کی دنیا احسان کو بہت راس آئی۔ اس کی صحافتی زندگی کی ابتدا بطور نامہ نگار کے ہوئی۔ ترقی کرتے کرتے وہ بعد میں مدیر، مدیر اعلیٰ، اخبار کا مالک اور آخر میں تمام مصری ادارے قومیائے جانے کے بعد ایک سے زائد اخبارات کی مجلسِ ادارت کا سربراہ رہا۔

عرب دنیا میں وہ ایک بہت بڑے صحافی کے طور پر مشہور ہوا۔ اس کے قلم سے سیکڑوں، بلکہ ہزاروں کی تعداد میں سیاسی، معاشرتی اور ادبی مضامین شائع ہوئے۔[۳۰]

احسان نے بطور صحافی مختلف مجلّات اور روزناموں میں لکھا۔ ان میں آخر ساعة، الهلال، صحف الزمان، المصری، الاثنين، الزمان اور روز الیوسف وغیرہ شامل ہیں۔ اسی طرح اس نے سنیما کے لیے بھی لکھا۔ اس کی بہت سی کہانیوں پر فلمیں بنیں جن میں الوسادة الخالية (خالی سرہانا)، لا انام (میں نہیں سوتی)، الطريق المسدود (بند راستا)، أنا حرة (میں آزاد ہوں)، فی بيتنا رجل (ہمارے گھر میں ایک آدمی ہے) اور البنات والصيف (لڑکیاں اور موسم گرما) شامل ہیں۔

۱۹۴۵ء میں، جب احسان ابھی پچیس سال کا تھا، اُس نے روز الیـــــوسف میں مصر میں انگلستان کے سفیر لارڈ کیلرن کے خلاف ایک مضمون بعنوان ''اس شخص کو لازماً چلے جانا چاہیے'' لکھا جس کے سبب اسے جیل کی ہوا کھانی پڑی۔ جب جیل سے رہا ہوکر آیا تو اس کی والدہ نے ایک بڑی تقریب کا اہتمام کیا اور وہیں روز الیـوسف کی ادارتِ اعلیٰ اس کے سپرد کردی۔[۳۱] ۱۹۴۵ء سے ۱۹۶۶ء تک یہ روز الیوسف کا مدیرِاعلیٰ رہا۔ اس عرصے میں اس پر کئی بار قاتلانہ حملے ہوئے اور اُسے جیل بھی جانا پڑا۔ ۱۹۵۴ء سے اس نے سیاست کی نسبت ادب کو زیادہ وقت دینا شروع کیا۔[۳۲]

۱۹۶۶ء میں اسے اخبـــار الیـوم کا مدیرِاعلیٰ اور ۱۹۷۱ء میں اخبار کی مجلس ادارت وانتظام کا سربراہ بنادیا گیا۔ ۱۹۷۴ء تک وہ اس اخبار میں اسی حیثیت سے کام کرتا رہا۔[۳۳]

۱۹۷۴ء سے اس نے مشہور مصری اخبار الاھـرام میں اعزازی کالم نگار کے طور پر لکھنا شروع کیا۔ ۱۹۷۵ء میں اسے الاھـــرام کی مجلس ادارت کا سربراہ بنادیا گیا، لیکن ایک سال بعد ہی اسے ایک سیاسی کالم کی بنا پر انور سادات (۱۹۱۸ء–۱۹۸۱ء) نے معزول کردیا، جس کے بعد سے اس نے مصری اخبارات چھوڑ کر سعودی عرب کے اخبار الشرق الأوسط میں لکھنا شروع کردیا۔[۳۴]

۱۹۸۷ء میں احسان دماغی بیماری کے سبب کومے میں چلا گیا۔ تشخیص کے بعد پتا چلا کہ اس کے دماغ میں پیدائشی طور پر نقص تھا۔ وہ جلد ٹھیک ہوگیا لیکن کچھ ماہ بعد پھر کومے میں چلا گیا۔ ۱۹۸۸ء میں احسان الاھرام میں اپنے دفتر میں بیٹھا تھا جب اس پر دوبارہ یہی دورہ پڑا جس کا اس کی زبان، بازو اور ٹانگ پر اثر ہوا۔ احسان ہسپتال میں ڈیڑھ ماہ رہا۔ مئی ۱۹۸۹ء میں وہ علاج کی خاطر امریکا گیا جہاں آٹھ گھنٹے تک اس کے دماغ کا آپریشن ہوا۔ آپریشن کے بعد اگست ۱۹۸۹ء میں وہ قاہرہ واپس آ گیا۔ اسی سال ۳۱ دسمبر کو وہ دوبارہ کومے میں چلا گیا اور ۱۱ جنوری ۱۹۹۰ء بروز جمعرات اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا۔[۳۵]

احسان کے سیاسی مضامین، ناول اور افسانوں کے مجموعے سیکڑوں کی تعداد میں شائع ہوئے۔ افسانوی مجموعوں میں بـائـع الحـب (محبت بیچنے والا)، صـانـع الحـب (محبت بنانے والا)، النظاره السواداء (کالی عینک)، أین عمری (میری عمر کہاں ہے؟)، الـوسادة الخالية (خالی سرہانا)،

عقلي وقلبي (**میری عقل اور میرا دل**)، منتهى الحب (**محبت کی انتہا**)، البنات والصيف (**لڑکیاں اور موسم گرما**)، زوجة احمد (**احمد کی زوجہ**)، شفتاه (**اس کے ہونٹ**)، بئر الحرمان (**محرومی کا کنواں**)، لا، ليس جسدك (**نہیں، تیرا جسم نہیں**)، بنت السلطان (**بادشاہ کی بیٹی**)، سيدة في خدمتك (**خاتون، آپ کی خدمت میں**)، النساء لهن أسنان بيضاء (**سفید دانتوں والیاں**)، دمي ودموعي وابتسامتي (**میرا خون، میرے آنسو اور میری مسکان**)، لا استطيع ان افكر وانا ارقص (**میں رقص کرتے ہوئے سوچ نہیں سکتی**)، الهزيمة كان اسمها فاطمة (**شکست، جس کا نام تھا فاطمہ**)، العذراء والشعر الأبيض (**کنواری لڑکی اور سفید بال**)، الراقصة والسياسي (**رقاصہ اور سیاست دان**)، زوجات ضائعات (**گم شدہ بیویاں**)، وتاهت بعد العمر الطويل (**طویل عمر کے بعد کھو گئی**)، كانت صعبة ومغرورة (**وہ مشکل پسند اور مغرور تھی**)، فوق الحلال والحرام (**حلال وحرام سے اوپر**) اور لمن اترك كل هذا (**میں یہ سب کچھ کس کے لیے چھوڑوں**) شامل ہیں۔

۴۵۹

احسان نے دس برس کی عمر میں لکھنا شروع کر دیا تھا۔ ابھی وہ گیارہ سال کا تھا جب اس نے اپنا پہلا افسانہ بعنوان ''اللص والظريف'' (چور اور نکتہ سنج) تحریر کیا جسے گھر کے سب بچوں نے تمثیل کی صورت میں پیش کیا۔ اس کی والدہ فن کی دنیا چھوڑ کر صحافت کے شعبے میں جا چکی تھی اور روز الیوسف کے نام سے ایک پرچہ نکالتی تھی۔ اُسے جب اس بات کا پتا چلا تو وہ سخت ناراض ہوئی۔ اس کی خواہش تھی کہ اس کا بیٹا بھی صحافت کی دنیا میں قدم رکھے۔[۳۶] بعد ازاں اس نے احسان عبد القدوس کو ذمہ داری سونپی کہ وہ اپنے سکول کی عام اور کھیلوں سے متعلق خبریں اس کے پرچے کو ارسال کیا کرے۔ یوں چودہ برس کی عمر سے اس نے اخبار میں لکھنا شروع کر دیا۔[۳۷]

منٹو کی طرح احسان عبد القدوس نے اپنے افسانوں میں سیاسی اور معاشرتی مسائل کو موضوع بنایا۔ اس نے معاشرے کی ان شخصیات اور مسائل کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا جنھیں اس سے پہلے شجر ممنوع سمجھا جاتا تھا۔ احسان کی افسانوی نثر کے موضوعات میں غربت، افلاس اور اس کی وجہ سے پیدا ہونے والے مختلف معاشرتی مسائل، طبقاتی تقسیم، مذہب، ملاوٹ، محبت، شک، معاشرے کی بالیدہ رسوم و رواج، طوائف، خیراتی ادارے، فلمی دنیا سے وابستہ لوگ، بے روزگاری، سیاست، شادی، شراب و

شباب، تعلیم، حب الوطنی، نوجوانوں کے مسائل، گھریلو ملازمین، مزدوروں کے مسائل، جنگ اور ہجرت وغیرہ نمایاں ہیں۔

ان سب میں ایک موضوع جو احسان کے اکثر افسانوں میں بہت نمایاں ہے، وہ جنس ہے۔ منٹو کی طرح احسان کے افسانوں کے اکثر کردار جنسی اور نفسیاتی مسائل و امراض کا شکار ہیں۔ احسان اپنے آپ کو نفسیاتی معالج شمار کرتا ہے۔ وہ فرائڈ کی مانند نفسیاتی امراض کا بڑا سبب جنس قرار دیتا ہے۔ اسی لیے اس کے اکثر افسانوں پر جنسی موضوعات کا غلبہ ہے۔[۳۸]

جنس، اس سے متعلقہ مسائل اور طوائف اس کے پسندیدہ موضوع ہیں۔ منٹو کی طرح اس نے اپنے افسانوں میں یہ بات بھی اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے کہ خواتین کے اکثر مسائل کا سبب معاشرے کی فرسودہ رسوم و رواج اور وہ مرد ہیں جو اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر عورت کو ایک وسیلے اور زینے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ مرد ذات ہی ہے جو اسے طوائف بننے پر مجبور کرتی ہے۔ احسان کے افسانے ''دمی ودموعی وابتسامتی'' (میرا خون، میرے آنسو اور میری مسکان) کی مرکزی کردار ناہید کی شادی سلیم سے ہوتی ہے جو اسے ایک رات اپنے چچا کے پاس مالِ غنیمت کے طور پر چھوڑ جاتا ہے۔ وہ اس سے طلاق لے کر ممدوح نامی آدمی سے شادی کرتی ہے جو اپنے افسر کو راضی کرنے کی خاطر اپنی بیوی اس کے ہاں بھجوا دیتا ہے۔[۳۹]

منٹو کی طرح احسان نے اکثر اوقات غربت کو جنس کے ساتھ جوڑا ہے۔ عورت اپنا پیٹ پالنے کی خاطر اپنا جسم بیچنے پر مجبور ہے۔ مثلاً اُس کے افسانے ''مدريد باللون الأحمر'' (میڈرڈ سرخ رنگ میں) کی مرکزی کردار بیتینا کو صلاح کی محبت میں اور ساری زندگی ساتھ نبھانے کے وعدوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس کی تو بس یہی خواہش ہے کہ صلاح کسی طور اس کے ساتھ رات گذارے اور اسے اس کی اجرت دے دے تاکہ وہ اپنا پیٹ بھر سکے اور زندگی کا پہیا کچھ دن اور چل سکے۔[۴۰]

بسا اوقات خاوند سے انتقام بھی جنسی بے راہ روی کا سبب بنتا ہے۔ اس کے افسانے ''البحث عن الخيانة'' (خیانت کی تلاش) کی عورت کا خاوند اس کے ساتھ بے وفائی کر رہا ہے اور اس میں دلچسپی نہیں لے رہا، وہ اسے سبق سکھانے کی خاطر اپنے عاشق ڈھونڈتی ہے تاکہ اس کے خاوند کو پتا

چل سکے کہ وہ بھی خوبصورت ہے اور اس پر بھی لوگ مرتے ہیں۔[۴۱]

اسی طرح ''أرجوك أعطني هذا الدواء'' (مہربانی فرما کر مجھے یہ دوا دیجیے) میں خاوند خواتین کا رسیا ہے جس کا اس کی بیوی کو علم ہے لیکن وہ کڑھنے کے سوا کچھ نہیں کرسکتی۔ اسی سبب وہ مختلف نفسیاتی امراض کا شکار ہو جاتی ہے اور مختلف طبیبوں سے علاج کراتی ہے۔ آخر میں ایک نفسیاتی معالج کے پاس پہنچتی ہے جو یہ علاج تجویز کرتا ہے کہ وہ بھی وہی کچھ کرے جو اس کا خاوند کر رہا ہے اور آخر کار معالج خود اپنی خدمات اس کام کے لیے پیش کر دیتا ہے۔[۴۲]

منٹو کی طرح احسان کے افسانوں کا ایک اور نمایاں موضوع شراب نوشی ہے جو اکثر جنس کے ساتھ جڑا ہوا ہوتا ہے۔ بقول سہیلہ زین العابدین:

> احسان کا شاید ہی کوئی قصہ شراب کے ذکر سے خالی ہو، احسان کے قصوں کو پڑھتے ہوئے یوں لگتا ہے جیسے شراب نوشی اس زمانے میں مصر میں عام تھی اور ہر گھر میں شراب کا دور دورہ تھا، اور مصری عوام مختلف معاشرتی طبقات، عمروں اور ثقافتوں سے تعلق کے باوجود شراب نوشی کے رسیا تھے۔[۴۳]

منٹو ہی کی طرح احسان نے بھی اپنے افسانوں میں جنس سے متعلقہ مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ ''ٹھنڈا گوشت'' کے مرکزی کردار کی طرح احسان کے افسانے ''بنت السلطان'' (بادشاہ کی بیٹی) کا مرکزی کردار جب بادشاہ کی بیٹی سے تنہائی میں ملتا ہے تو اپنی پوری کوشش کے باوجود جنسی طاقت اس خوف کی بنا پر کھو دیتا ہے کہ وہ ایک بادشاہ کی بیٹی کے سامنے ہے۔[۴۴]

خود اعتمادی میں کمی بھی انسان کی ذات میں بہت سے مسائل کا سبب بنتی ہے۔ اس مسئلے کو اجاگر کرنے کے لیے دونوں نے اپنے اپنے افسانے کا ایک سا پلاٹ رکھا ہے۔ مثلاً احسان کے ایک افسانے ''شيء غير الحب'' (کچھ محبت کے علاوہ) کا مرکزی کردار ایک دیہاتی لڑکا ہے جو یونی ورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے شہر آیا ہے۔ اسے زندگی میں پہلی بار مخلوط تعلیم کا تجربہ حاصل ہو رہا ہے۔ اس کی بڑی خواہش ہے کہ وہ کسی لڑکی کے ساتھ بیٹھے، اس سے دوستی کرے لیکن دل میں اس شدید خواہش کے باوجود خود اعتمادی کی کمی اور اس ڈر سے کہ دوسرے لڑکے اس کا مذاق اُڑائیں گے، وہ اپنی خواہش کی تکمیل سے قاصر ہے۔[۴۵]

منٹو نے بھی خود اعتمادی میں کمی کو اپنے افسانے ''ڈرپوک'' کا موضوع بنایا ہے۔ اس افسانے میں ایک نوجوان اپنے خاندان کی کسی لڑکی سے محبت کرنا چاہتا ہے لیکن رشتہ داروں کی نظروں اور ان کی باتوں کے خوف سے اپنے ارادے کو عملی جامہ نہیں پہنا پاتا۔ اسی طرح وہ ایک رات طوائفوں کے محلے میں چلا جاتا ہے لیکن اندرونی خوف اور اس ڈر سے کہ لوگ کیا کہیں گے، وہ کوٹھے پر نہیں جا پاتا اور گھر واپس آ جاتا ہے۔[۴۶]

دونوں لکھاریوں نے امیروں یا معاشرے کی اشرافیہ میں موجود خرابیوں کو بھی اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ منٹو کے مسٹر معین الدین کی بیوی ایک دوسرے آدمی احسن سے شادی کی خاطر اُس سے طلاق مانگتی ہے۔ مسٹر معین الدین کا تعلق معاشرے کے اعلیٰ طبقے سے ہے اور احسن بھی اسی اشرافیہ ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ معین اسے طلاق دینے سے انکار کر دیتا ہے کیونکہ اس کی بیوی کا اس سے طلاق لے کر احسن سے شادی کرنا اس کے لیے اپنے طبقے میں ذلت اور بے عزتی کا سبب ہے۔ البتہ اسے اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ اس کی بیوی احسن کے گھر جا کر رات بلکہ راتیں گذار آئے۔[۴۷]

یہی حال احسان عبد القدوس کے افسانے ''جريمة ولاعةالسجائر'' (سگریٹ جلانے والی کا جرم) کے مرکزی کردار عبد السلام کا ہے، جسے اپنی بیوی کو عزمی کی بانہوں میں قابل اعتراض حالت میں دیکھ کر کوئی عار یا شرم محسوس نہیں ہوتی، کیونکہ وہ عزمی کے ساتھ ایک بہت بڑا کاروباری سودا طے کرنے والا ہے۔[۴۸]

دونوں نے ان لوگوں کو موضوع بنایا ہے جو مذہب کو اپنے ذاتی فائدوں کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ وہ معصوم لوگوں کو مذہب کے نام پر لوٹتے ہیں۔ منٹو کے 'بابو گوپی ناتھ' کو طوائف کے کوٹھے اور شیخ کی کٹیا میں رہنا پسند ہے، کیونکہ ''ان دونوں جگہوں پر فرش سے لے کر چھت تک دھوکا ہی دھوکا ہوتا ہے۔ جو آدمی خود کو دھوکا دینا چاہے اُس کے لیے ان سے اچھا مقام اور کیا ہوسکتا ہے۔''[۴۹]

اس موضوع پر منٹو اور احسان کی سوچ ایک دوسرے سے بہت مماثلت رکھتی ہے۔ احسان کے افسانے ''سارقوا الأحلام'' (خوابوں کو چرانے والے) کا مرکزی کردار ایک شیخ ہے جو کسی نامعلوم جگہ سے آیا ہے اور جس نے ایک بستی میں ڈیرا ڈال رکھا ہے۔ وہ اپنی شعبدہ بازیاں دکھا کر لوگوں کو

لوٹتا ہے اور آخر میں جس گھر میں قیام پذیر ہوتا ہے انھی کو لوٹ کر بھاگ جاتا ہے۔[۵۰]

یہی حال منٹو کے افسانے ''صاحب کرامات'' کے مرکزی کردار کا ہے جو ''سارقوا الأحلام'' کے شیخ کی طرح دور دراز سے آتا ہے اور ایک دیہاتی چودھری موجو کے گھر ڈیرا ڈالتا ہے اور آخر میں اسی گھر کی عزت لوٹ کر بھاگ جاتا ہے۔[۵۱]

دونوں نے نوجوانی اور نوجوانوں، ان کے جنس مخالف رجحان اور ان کے متعلق مسائل کو بھی اپنا موضوع بنایا ہے۔ منٹو کے افسانے ''دھواں'' اور ''بلاؤز'' بہت حد تک احسان عبد القدوس کے افسانے ''شيء غير الحب'' (کچھ محبت کے علاوہ) سے مماثلت رکھتے ہیں۔[۵۲]

احسان عبد القدوس کا ایک اور افسانہ ''أستغفر الله'' منٹو کے افسانے ''سجدہ'' سے بہت گہری مماثلت رکھتا ہے۔ دونوں کا مرکزی موضوع یہ ہے کہ انسان بسا اوقات کسی گناہ کے ارتکاب کے بعد اپنے ضمیر کے شرمندہ کرنے پر گناہ سے توبہ کر لیتا ہے اور شدت جذبات میں اپنے ساتھ ایسا عہد کر بیٹھتا ہے جسے پورا کرنا اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے، اور دوبارہ جب جب وہ اس گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا ضمیر اسے وہ عہد یاد دلاتا ہے۔

احسان عبد القدوس کے افسانے کا مرکزی کردار عادل اپنی بیوی کے ساتھ شراب پیا کرتا تھا۔ وہ اپنے ضمیر کے شرمندہ کرنے پر شراب نوشی ترک کر دیتا ہے اور اپنی بیوی کو بھی طلاق دے دیتا ہے جو شراب چھوڑنے پر راضی نہیں۔ کہانی کے آخر میں یہ صورت حال سامنے آتی ہے کہ وہ اپنی مطلقہ بیوی کو واپس گھر لے آتا ہے اور دوبارہ شراب نوشی کرنے لگتا ہے۔ یوں اس کے کردار میں کوئی تبدیلی نہیں آتی سوائے اس کے کہ وہ اپنے ضمیر کے جھنجوڑنے پر ہر وقت استغفر الله، استغفر الله کا ورد کرتا رہتا ہے۔[۵۳]

اسی طرح منٹو کے افسانے ''سجدہ'' کا حمید اپنے دوست کے شرمندہ کرنے پر شراب پینے سے توبہ کر لیتا ہے اور اللہ کے حضور سجدہ کرتا ہے اور عہد کرتا ہے کہ آئندہ کبھی شراب نہیں پیے گا لیکن وہی دوست پھر اسے زبردستی شراب پلاتا ہے جس کے بعد سے جب جب وہ شراب پیتا ہے تو اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا ہے اور اسے احساس ندامت ہوتا ہے۔[۵۴]

دونوں نے مایوسی اور خودکشی کو بھی اپنا موضوع بنایا ہے۔ اس موضوع پر منٹو نے افسانہ ''خودکشی'' جب کہ احسان عبدالقدوس نے ''لماذا أعیش'' (میں زندہ کیوں رہوں) لکھا۔ ''خودکشی'' کا مرکزی کردار زاہد ایک خوبصورت لڑکی سے شادی کرتا ہے۔ شادی کے ایک سال بعد اس کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی ہے جو کچھ عرصے بعد فوت ہو جاتی ہے۔ اس کی بیوی یہ صدمہ برداشت نہیں کر پاتی اور چند دن بعد انتقال کر جاتی ہے۔ ان دونوں کی وفات کے بعد زندگی میں زاہد کی دلچسپی ختم ہو جاتی ہے اور وہ ایک رات خودکشی کی خاطر ریلوے لائن کی طرف چل پڑتا ہے۔ اسے دور سے ٹرین آتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ابھی وہ پٹری پر لیٹنے کا سوچ ہی رہا ہوتا ہے کہ اچانک اندھیرے سے ایک آدمی نمودار ہوتا ہے اور خودکشی کے لیے پٹری کے درمیان میں آ کھڑا ہوتا ہے۔ زاہد فوراً اس کی طرف بڑھتا ہے اور اسے ٹرین کے نیچے آنے سے بچاتا ہے۔ زاہد کے استفسار پر دوسرا آدمی اسے بتاتا ہے کہ وہ زندگی سے تنگ آ چکا ہے اس لیے خودکشی کا اقدام کر رہا ہے۔ زاہد فوراً ناصح بن جاتا ہے کہ دیکھو خودکشی، مایوسی اور بزدلی ہے، زندگی، بہادری اور امید کا نام ہے۔ تمھیں چاہیے کہ پچھلے غموں کو بھلا کر دوبارہ سے نئی زندگی کی ابتدا کرو، وغیرہ وغیرہ، اور یوں وہ خود بھی خودکشی کا خیال ترک کر دیتا ہے۔[۵۵]

احسان عبدالقدوس کا افسانہ ''لماذا أعیش'' (میں زندہ کیوں رہوں)، کہانی ہے تین آدمیوں کی، اداکار محمود، اس کا والد مشہور مصنف عبدالعزیز رفعت اور اس کا بیٹا طارق۔ یہ تینوں خودکشی کرنا چاہتے ہیں۔ تینوں ایک ہی گھر میں رہتے ہیں لیکن الگ تھلگ۔ ہر کوئی اپنے کمرے میں بند۔ کہانی کا راوی جو سب کا دوست ہے، ایک دن محمود کے ہاں جاتا ہے تو اسے بہت غمگین اور سوچ میں غرق پاتا ہے۔ پوچھنے پر محمود بتاتا ہے کہ وہ خودکشی کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہے۔

یہی مشترکہ دوست عبدالعزیز رفعت سے ملتا ہے تو وہ بھی خودکشی کے بارے میں سوچ رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح جب طارق سے بات ہوتی ہے تو وہ بھی خودکشی کا ارادہ کیے ہوئے ہے۔ کچھ سوچ کر یہ دوست اس کے دادا کے پاس جاتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ اس کا بیٹا خودکشی کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ دادا فوراً اپنی سوچ بدلتا ہے اور اس کے منہ پر یہ الفاظ جاری ہوتے ہیں کہ خودکشی کا مطلب تو مایوسی ہے، میں اسے زندگی کے معانی سمجھاؤں گا۔ دادا اپنے بیٹے کے پاس جاتا ہے اور اسے بتاتا ہے

کہ وہ سنیما کے لیے ایک نئی کہانی لکھ رہا ہے، اور وہ اپنے بیٹے کی مدد چاہتا ہے کہ وہ اس کی ملاقات کسی پیش کار سے کروائے۔ اسی طرح وہ دوست تنہائی میں محمود سے ملتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ اس کا بیٹا خودکشی کرنا چاہتا ہے تو وہ بھی چلاّ اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ تو پاگل ہے۔ اس نے ابھی دیکھا کیا ہے۔ میں اسے بتاؤں گا کہ زندگی کی، کامیابی کی قدرو قیمت کیا ہے۔محمود اپنے بیٹے کے پاس جاتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ وہ ریڈیو کے لیے ایک ڈراما لکھ رہا ہے اور اس میں اسے اپنے بیٹے کی مدد کی ضرورت ہے، اور یوں ہر کوئی دوسرے کی خاطر خودکشی کے ارادے کو ترک کر دیتا ہے۔[۵۶]

دونوں عظیم کہانی کاروں نے جنگ، ہجرت اور ان لوگوں کی نفسیات کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا جو بالواسطہ یا بلاواسطہ جنگ سے متاثر ہوئے۔ خاص طور پر وہ خواتین، جن کی جنگ کے زمانے میں آبرو ریزی کی گئی۔ عجب اتفاق ہے کہ دونوں کے ہاں نتائج ایک جیسے ہیں۔ افسانہ ''کھول دو'' کی سکینہ اسی ظلم کی وجہ سے اپنے ہوش وحواس کھو چکی ہے اور ایک زندہ لاش بن چکی ہے۔ یہی صورت حال احسان کے افسانے ''لن أتكلم ...ولن انسى'' (نہ تو میں بات کروں گی، اور نہ بھول پاؤں گی) کی خاتون کردار کا ہے۔ وہ ایک شادی شدہ خاتون ہے۔ ۱۹۶۷ء کی جنگ کے دنوں میں ایک یہودی نے اس کے خاوند کی غیر موجودگی میں اس کی آبرو ریزی کی۔ اس خاتون کو بار بار دورے پڑتے اور اُس کی حالت غیر ہو جاتی۔ گھر والے اسے مختلف ڈاکٹروں کو دکھاتے لیکن کوئی علاج اور دوا اُس مسئلے تک نہیں پہنچ پاتی جو اس کی اس ذہنی حالت کا سبب بنا کیونکہ خاتون اس بات کو زبان تک نہیں لاسکتی اور جوں ہی وہ واقعہ اس کے ذہن میں آتا وہ اپنے حواس کھو بیٹھتی۔[۵۷]

دونوں نے ان لوگوں کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے جو دین کی غلط تشریح کرتے ہیں اور مذہب کو اپنے مذموم مقاصد کی خاطر استعمال کرتے ہیں۔ احسان کا قصہ ''وسقط قبل أن يدخل الجنة'' (وہ جنت میں داخل ہونے سے پہلے گر گیا) کافی حد تک منٹو کے ایک افسانچے سے مشابہ ہے جسے منٹو نے ''چند مکالمے'' کے عنوان کے تحت درج کیا ہے۔ وہ مکالمہ کچھ یوں ہے:

یار تم اتنی عورتوں سے یارانہ کیسے گانٹھ لیتے ہو؟

یارانہ کہاں گانٹھتا ہوں ...... باقاعدہ شادی کرتا ہوں۔

شادی کرتے ہو؟

ہاں! بھائی میں حرام کاری کا قائل نہیں۔ شادی کرتا ہوں اور جب اس سے جی اکتا جاتا ہے تو حق مہر ادا کر کے اس سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہوں!
اسلام زندہ باد![۵۸]

یہی صورت حال احسان کے مذکورہ افسانے کے مرکزی کردار کی ہے جو مختلف کلبوں میں رقص کرنے والی ان پیشہ ور خواتین سے شادی کرتا ہے جنھیں اس آدمی کے نام جاننے میں بھی دلچسپی نہیں جس سے ان کی شادی ہو رہی ہے۔ وہ ان خواتین سے یکے بعد دیگرے شادی کرتا ہے اور کچھ دن کے بعد انھیں طلاق دے کر نئی خواتین سے شادی کر لیتا ہے۔ اس سے اس بارے میں جب بھی سوال کیا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہوتا ہے کہ وہ انسانی خواہش اور جذبات کو شریعت کے تابع رکھنا چاہتا ہے۔[۵۹]

موضوعات کے ساتھ ساتھ افسانے کی تکنیک کے حوالے سے بھی بعض اوقات احسان اور منٹو کے ہاں متعدد مماثلتی پہلو نظر آتے ہیں۔ صنعت تکرار کا دونوں نے استعمال کیا ہے۔ اگرچہ صنعت تکرار کا زیادہ استعمال شاعری میں ہوتا ہے لیکن نثری اصنافِ سخن میں بھی یہ صنعت ہمیں دکھائی دیتی ہے۔ دونوں ادیبوں نے کسی خیال پر زور ڈالنے کے لیے ایک لفظ کو اپنے افسانے میں بار بار استعمال کیا ہے۔ مثال کے طور پر منٹو نے اپنے افسانے ''نعرہ'' میں یہ بتانے کی خاطر کہ ''کیشو لال'' پر سیٹھ کی گالی کا کتنا زیادہ اثر ہوا لفظ ''گالی'' کو پچاس سے زائد بار استعمال کیا۔[۶۰]

اسی طرح احسان عبد القدوس نے اپنے افسانے ''النساء لهن اسنان بيضاء'' (سفید دانتوں والیاں) میں لفظ سیجار (سگریٹ) کو اسی سے زائد بار استعمال کیا۔[۶۱] اسی طرح اپنے افسانے ''دقيقة بعد دقيقة'' میں لفظ دقيقة (منٹ) یا دقائق (دقيقة کی جمع) کو پچاس سے زائد بار استعمال کیا۔[۶۲]

اسی طرح دونوں نے اپنے افسانوں میں دوسری زبانوں کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔[۶۳]

دونوں کے افسانوں کی بعض خواتین کرداروں کا تعلق عام دنیا سے نہیں محسوس ہوتا۔ وہ پیشے کے اعتبار سے طوائف ہیں۔ جسم بیچنا ان کا پیشہ ہے لیکن انھیں باہر کی دنیا کا کچھ علم نہیں۔ انھیں حلال اور حرام کا کچھ پتا نہیں۔ ان کے خیال میں ہر عورت وہی کچھ کرتی ہیں جو وہ کر رہی ہیں۔ ''سرکنڈوں

کے پیچھے'' کی نواب کے خیال میں جو مرد اس کے پاس آتے ہیں ان کو خوش کرنا ہی اس کی زندگی کا مقصد ہے۔ اسے کبھی احساس نہیں ہوا کہ وہ گناہ کی زندگی بسر کر رہی ہے۔[۶۴]

یہی حال احسان عبد القدوس کے افسانے ''فیلسوف'' (فلسفی) کی مرکزی کردار کا ہے۔ وہ جب اپنی عزت پہلی بار گنواتی ہے تو اسے بالکل بھی احساس نہیں ہوتا کہ اس نے کوئی قابل قدر چیز کھوئی ہے۔ وہ حیرانی کا اظہار کرتی ہے جب اسے بتایا جاتا ہے کہ وہ اپنی سب سے قیمتی چیز کھو بیٹھی ہے۔[۶۵]

دونوں نے بعض اوقات اپنے افسانوں میں ایسی دنیا تخلیق کی ہے جو خیالی ہے اور جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مثلاً احسان کے قصے ''عذراء هولندا'' (ہالینڈ کی دوشیزہ) میں مرد و عورت ہوٹل کے ایک کمرے میں ایک بستر پر کئی راتیں گذارتے ہیں، بوس وکنار کرتے ہیں لیکن دونوں ایک دوسرے کے لیے شجر ممنوع بنے رہتے ہیں۔[۶۶] یہ بات افسانے میں تو ممکن ہے حقیقت سے اس کا دور کا بھی تعلق نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح کا افسانہ منٹو کا ''خوشیا'' ہے جس میں طوائف 'کانتا' خوشیا کو جو پیشے کے اعتبار سے ایک دلال ہے، ایک مرد کے طور پر شمار نہیں کرتی اور اس کے سامنے برہنہ آجاتی ہے۔ اور خوشیا خاموشی سے واپس چلا جاتا ہے۔ اس قصے کا بھی حقیقت سے دور کا واسطہ نہیں ہے۔ اس افسانے کے بارے میں منٹو نے اپنے حریف اپندر ناتھ اشک سے رائے لی تو اس کا جواب تھا کہ افسانہ اچھا تو ہے لیکن حقیقی نہیں۔ منٹو کے استفسار پر اشک نے اس سے کہا:

> حقیقی دنیا میں خوشیا واقعی دلال ہوتا، کانتا اس کے سامنے یوں برہنہ ہو جاتی تو وہ اسے وہیں دبوچ لیتا۔ تم نے جو کچھ لکھا وہ ایک پڑھا لکھا شاعر سوچ سکتا ہے، ان پڑھ دلال نہیں۔[۶۷]

دونوں اس حوالے سے بھی ایک دوسرے کے مشابہ ہیں کہ دونوں کا فن عروج و زوال کا شکار رہا۔ چونکہ یہ دونوں اس بات کے عادی تھے کہ ایک ہی دن میں پورا افسانہ لکھیں، اس لیے بسا اوقات ان کے وہ افسانے بھی شائع ہوئے جو ناقدین کی نظر میں اس فن کی تمام شرائط کو پورا نہیں کرتے تھے۔ منٹو کا شراب کی خاطر ایک دن میں ایک یا دو افسانے لکھنا۔ اسی طرح احسان کا ایک ہی مجلس میں

پورا افسانہ لکھنا۔ اس طرزِعمل نے ان کے فنی معیارات متاثر کیے اور ان کی تخلیقات پر انگلیاں اٹھانے میں ناقدین کی مدد کی ہے۔ احسان کے بارے میں اس کے بیٹے محمد عبدالقدوس کا کہنا ہے:

> احسان جمعے کے روز اخبار کے شمارے کا سارا مواد تیار کرلینے کے بعد افسانہ لکھنا شروع کرتا۔ اس کے پاس وقت بہت محدود ہوتا تھا،صرف جمعے کی شام، کیونکہ میگزین کو ہفتے کی صبح شائع ہونا ہوتا تھا۔ وہ رات سے صبح تک افسانہ لکھ لیتا جو کہ میگزین کے تین سے چارصفحات لے جاتا۔ پریس والے اس کے انتظار میں ہوتے۔ احسان جب کچھ لکھ لیتا تو وہ ساتھ ساتھ اسے کاتب کے حوالے کرتا جاتا۔[۶۸]

اسی طرح اگرہم منٹو کے آخری دور کے افسانوں کے آخر میں لکھی ہوئی تاریخوں پرنظر ڈالیں تو پتا چلتا ہے کہ منٹو نے ایک دن میں ایک یا دو افسانے بھی لکھے۔ مثلاً منٹو کے افسانوی مجموعے بادشاہت کا خاتمہ میں گیارہ افسانے شامل ہیں اور یہ پورا مجموعہ چودہ دن میں لکھا گیا۔ اس کے مجموعے ٹھنڈا گوشت میں شامل آخری چھے افسانے ایک ہفتے کے دوران میں لکھے گئے۔ اسی طرح اس کے مجموعے یزید کے پہلے آٹھ افسانے نو دن میں لکھے گئے۔[۶۹]

اپندر ناتھ اشک نے بھی لکھا ہے کہ منٹو جب آل انڈیا ریڈیو میں ملازم تھا تو اس کی یہ عادت تھی کہ وہ ٹائپ رائٹر پر بیٹھے بیٹھے کرشن چندر سے پوچھتا: ''بولو بھئی، کس موضوع پر ڈراما لکھا جائے؟ موضوع سنتے ہی فوراً ٹائپ کرنا شروع کر دیتا اور شام تک مسودہ کرشن کو دے دیتا۔''[۷۰]

یہ اور اس طرح کے دوسرے مماثلتی پہلو اس بات کا واضح اور بین ثبوت ہیں کہ اگر حالات اور مسائل ایک طرح کے ہوں تو زبان اور علاقہ چاہے مختلف ہی کیوں نہ ہو، ان علاقوں کے ادیبوں اور لکھاریوں کے قلم سے نکلنے والا ادب ایک ہی طرح کا ہوسکتا ہے اور اس ادب کے موضوعات بھی ایک طرح کے ہوسکتے ہیں۔ اور یہی وہ نقطہ ہے جس کی بنا پر مختلف ملکوں، معاشروں اور تہذیبوں سے تعلق رکھنے والے ان دو ادیبوں کو اس مقالے کا موضوع بنایا گیا ہے اور ان کے ادب میں مماثلتی پہلو تلاش کرنے کی جسارت کی گئی ہے۔[۷۱]

حوالہ جات

*	اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ عربی، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور۔

۱۔	*محمد عبدالقدوس*، حکایات احسان عبد القدوس (مصر: مکتبۃ الاسرۃ،۲۰۰۰ء)،ص ۳۶؛ Leslie Flemming and Tahira Naqvi, *The Life And Works of Saadat Hassan Manto* (Lahore: Vanguard Books Ltd., 1985), p 30.

۲۔	*امیرۃ ابوالفتوح*، احسان عبد القدوس یتذکر (مصر: الھیئۃ المصریۃ للکتاب،۱۹۸۲ء)،ص۱۱۔

۳۔	*علی ثناء بخاری*، سعادت حسن منٹو: سوانح اور ادبی کارنامے ، تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی، جامعہ پنجاب، ۱۹۸۴ء،ص۱۳–۱۵۔

۴۔	Muhammad Akhtar Qureshi, *Image of Woman in Manto's Writings*, M. A. Thesis, Department of Psychology, Univeristy of the Punjab, Lahore, 1965, p 51.

۵۔	*امیرۃ ابوالفتوح*، احسان عبد القدوس یتذکر،ص ۱۸؛ *محمد عبدالقدوس*، حکایات احسان عبد القدوس، ص۸۴۔

۶۔	University of the Punjab, *Gazette Notifications*, Metric result 1928, 1929, 1930, 1931 and 1934.

۷۔	*امیرۃ ابوالفتوح*، احسان عبد القدوس یتذکر،ص۳۸۔

۸۔	Leslie Flemming and Tahira Naqvi, *The Life And Works of Saadat Hassan Manto*, p 30.

۹۔	*امیرۃ ابوالفتوح*، احسان عبد القدوس یتذکر،ص۲۶۔

۱۰۔	*سعادت حسن منٹو*،''میری شادی''، مشمولہ منٹو راما (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۴ء)،ص۲۸۹، ۲۹۰۔

۱۱۔	*محمد عبدالقدوس*، حکایات احسان عبد القدوس، ص۹۵؛ Leslie Flemming and Tahira Naqvi, *The Life And Works of Saadat Hassan Manto*, p 30.

۱۲۔	احسان کے والد تو خواہش رکھتے تھے کہ احسان ڈراموں میں کام کرے لیکن احسان کی والدہ اور پھوپھی اس کے سخت مخالف تھیں۔ دیکھیے: *فؤاد قندیل*، احسان عبد القدوس عاشق الحریۃ (مصر: الھیئۃ العامۃ لقصور الثقافۃ، ۱۹۹۷ء)، ص۲۲۔

۱۳۔	*سعادت حسن منٹو*،''آغا حشر سے دو ملاقاتیں''، مشمولہ منٹو نما (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء)،ص۳۰–۳۱۔

۱۴۔	*سعادت حسن منٹو*،''ایک خط''، منٹو نامہ (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۳ء)،ص۲۴۲۔

۱۵۔	*محمود فوزی*، احسان عبد القدوس بین الاغتیال السیاسی والشغب الجنسی (القاہرۃ: مکتبۃ مدبولی، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء)،ص۲۷–۲۸۔

۱۶۔	*امیرۃ ابوالفتوح*، احسان عبد القدوس یتذکر،ص۲۲۳؛ *سعادت حسن منٹو*،''منٹو''، مشمولہ سعادت حسن منٹو، مرتب پریم گوپال متل (دہلی: ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۹ء) ص۱۶۔

۱۷۔	*محمد عبدالقدوس*، حکایات احسان عبد القدوس، ص۴۸۔

۱۸۔ ابوسعید قریشی، منٹو (لاہور: مکتبہ میری لائبریری، ۱۹۸۸ء)،ص۲۲۔

۱۹۔ احسان عبد القدوس، ''کلمۃ''، مشمولہ الھزیمۃ کان اسمھا فاطمۃ (مصر: مرکز الاہرام للترجمۃ والنشر، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء)،ص۸۲۔

۲۰۔ محمد طفیل، ''منٹو''، مشمولہ صاحب (لاہور: ادارہ فروغ اردو، ۱۹۶۴ء)۔

۲۱۔ احسان عبد القدوس، ''ھل قرأ جمال عبد الناصر الرسالۃ''، مشمولہ آسف لم أعد أستطیع (قاہرہ: قطاع الثقافۃ، دار اخبار الیوم، س ن)،ص۸؛ امیرۃ ابو الفتوح، احسان عبد القدوس یتذکر ص۲۲۴۔

۲۲۔ اپندر ناتھ اشک، ''منٹو میرا دشمن''، مشمولہ نقوش منٹو نمبر، شمارہ ۴۹، ۵۰ (س ن)،ص۳۵۳–۳۵۵۔

۲۳۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: عبد القدیر، احسان عبد القدوس وسعادت حسن منتو(دراسۃ مقارنۃ فی حقل القصۃ القصیرۃ)، تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی، شعبۂ عربی، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور، ۲۰۰۶ء،ص۱۰۳–۱۰۵۔

۲۴۔ فتحی الابیاری، أدباؤنا والحب (مصر: دار الشروق، ۱۹۷۴ء)، ص۹۷۔

۲۵۔ فؤاد قندیل، احسان عبد القدوس عاشق الحریۃ،ص۲۱۔

۲۶۔ امیرۃ ابو الفتوح، إحسان عبد القدوس یتذکر،ص۱۸۔

۲۷۔ ایضاً،ص۲۲۔

۲۸۔ ایضاً،ص۲۵۔

۲۹۔ ایضاً،ص۲۵؛ محمد الشرقاوی، ''اعترافات احسان عبد القدوس''، مشمولہ المنھل شمارہ ۴۷۰، جلد۵۰ (شعبان ۱۴۰۹ھ/ مارچ ۱۹۸۹ء)،ص۱۵۴۔

۳۰۔ فؤاد قندیل، احسان عبد القدوس عاشق الحریۃ، ص ۴۷–۴۸؛ عبد القدیر، احسان عبد القدوس وسعادت حسن منتو(دراسۃ مقارنۃ فی حقل القصۃ القصیرۃ)، ص۱۱۵۔

۳۱۔ کمال محمد علی، احسان عبد القدوس فی أربعین عاما (الفجالۃ: مکتبہ مصر، ۱۹۸۵ء)،ص۲۴۔

۳۲۔ محمد عبد القدوس، حکایات احسان عبد القدوس، ص۵۹؛ فؤاد قندیل، احسان عبد القدوس عاشق الحریۃ، ص۷۹؛ احسان عبد القدوس، علی مقھی فی الشارع السیاسی (الفجالۃ: مکتبہ مصر، س ن)،ص۶۔

۳۳۔ فؤاد قندیل، احسان عبد القدوس عاشق الحریۃ،ص۲۸۔

۳۴۔ محمود فوزی، احسان عبد القدوس بین الاغتیال السیاسی والشغب الجنسی،ص۱۳۶۔

۳۵۔ غالی شکری، ''قصتی مع احسان عبد القدوس''، إبداع شمارہ ۳، ۴ (مارچ اپریل ۱۹۹۰ء)،ص۱۱؛ محمد عبد القدوس، ''لک الشکر یا ربی''، مشمولہ احسان عبد القدوس أمس والیوم وغدا، مرتب نرمین القویسنی (مصر: دیاسیک، ۱۹۹۱ء)،ص۲۶۴؛ بثینۃ البیلی، ''الساعات الاخیرۃ: قصۃ المرض والموت''، مشمولہ المصور شمارہ ۳۴۰۶ (۱۹ جنوری ۱۹۹۰ء)،ص۲۶۔

۳۶۔ عبد القدیر، احسان عبد القدوس وسعادت حسن منتو(دراسۃ مقارنۃ فی حقل القصۃ القصیرۃ)،ص۱۱۶۔

۳۷۔ فؤاد قندیل، احسان عبد القدوس عاشق الحریۃ،ص۳۴۔

۳۸۔ اس موضوع پر تفصیل کے لیے دیکھیے: سہیلہ زین العابدین حماد، احسان عبد القدوس بین العلمانیۃ والفرویدیۃ (المدینۃ المنورۃ: دار الفجر الاسلامیۃ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء)۔

۳۹۔ احسان عبد القدوس، ''دمی ودموعی وابتساماتی''، مشمولہ دمی ودموعی وابتساماتی (قاہرہ: قطاع الثقافۃ، دار اخبار الیوم، س ن)، ص۲۳–۵۴۔

۴۰۔ احسان عبد القدوس، ''مدرید باللون الاحمر''، مشمولہ سيدة فی خدمتك (قاہرہ: دار اخبار الیوم، س ن)، ص۱۰۰–۱۱۶۔

۴۱۔ احسان عبد القدوس، ''البحث عن الخیانۃ''، مشمولہ بئر الحرمان (قاہرہ: قطاع الثقافۃ، دار اخبار الیوم، س ن)، ص۱۵۷–۱۷۵۔

۴۲۔ احسان عبد القدوس، ''أرجوک أعطنی ھذا الدواء''، مشمولہ زوجات ضائعات (قاہرہ: دار اخبار الیوم، س ن)، ص۳۲۹–۳۸۲۔

۴۳۔ سہیلہ زین العابدین حماد، احسان عبد القدوس بين العلمانية والفرويدية، ص۲۵۹۔

۴۴۔ احسان عبد القدوس، ''بنت السلطان''، مشمولہ لا، ليس جسدك (قاہرہ: دار اخبار الیوم، س ن)، ص۱۹۲–۱۹۹۔

۴۵۔ احسان عبد القدوس، ''شیء غیر الحب''، مشمولہ لا، ليس جسدك، ص۲۵۳–۲۵۹۔

۴۶۔ سعادت حسن منٹو، ''ڈرپوک''، مشمولہ منٹو راما (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء)، ص۹۲۰–۹۲۸۔

۴۷۔ سعادت حسن منٹو، ''مسٹر معین الدین'' مشمولہ منٹو افسانے، جلد دوم (لاہور: نگارشات پبلشرز، ۲۰۰۷ء)، ص۶۲۶–۶۳۳۔

۴۸۔ احسان عبد القدوس، ''جریمۃ ولاعۃ السجائر''، مشمولہ الهزيمة كان اسمها فاطمة، ص۲۹۱–۳۱۲۔

۴۹۔ سعادت حسن منٹو، ''بابو گوپی ناتھ''، مشمولہ نقوش منٹو نمبر، شمارہ ۴۹، ۵۰ (س ن)، ص۱۶۱۔

۵۰۔ احسان عبد القدوس، ''سارقوا الاحلام''، مشمولہ عقلی وقلبی (قاہرہ: دار روز الیوسف، ۱۹۵۹ء)۔

۵۱۔ سعادت حسن منٹو، ''صاحب کرامات''، مشمولہ منٹو راما، ص۲۳۹–۲۵۵۔

۵۲۔ ان افسانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں ان دونوں نے نوجوانوں کے مسائل کو اپنا موضوع بنایا ہے، احسان کا تو یہ کہنا تھا وہ لکھتا ہی اُن قارئین کے لیے ہے جن کی عمریں دس سے بیس سال کے درمیان ہیں۔

۵۳۔ احسان عبد القدوس، ''استغفر اللہ''، مشمولہ لمن أترك كل هذا (قاہرہ: مرکز الاہرام للترجمۃ والنشر، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۰ء)، ص ۱۸۵–۱۹۶۔

۵۴۔ سعادت حسن منٹو، ''سجدہ''، مشمولہ منٹو باقیات (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء)، ص۳۱۲–۳۲۱۔

۵۵۔ سعادت حسن منٹو، ''خودکشی''، مشمولہ منٹو کہانیاں (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء)، ص ۳۶۱–۳۶۶۔

۵۶۔ احسان عبد القدوس، ''لماذا اعیش''، مشمولہ بنت السلطان (قاہرہ: مرکز الاہرام للترجمۃ والنشر، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸ء)، ص۱۲۹–۱۴۱۔

۵۷۔ احسان عبد القدوس، ''لن أتکلم ولن انسیٰ''، مشمولہ الهزيمة كان اسمها فاطمة، ص۲۱۵–۲۳۳۔

۵۸۔ سعادت حسن منٹو، ''چند مکالمے''، مشمولہ رتی، ماشہ، تولہ (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ص۳۱۔

۵۹۔ احسان عبد القدوس، ''وسقط قبل ان یصل الی الجنۃ''، مشمولہ الهزيمة كان اسمها فاطمة، ص۲۵۰–۲۶۶۔

۶۰۔ سعادت حسن منٹو، ''نعرہ''، مشمولہ منٹو راما، ۷۸۸–۸۰۰۔

۶۱۔ احسان عبد القدوس، ''النساء لھن اسنان بیضاء''، مشمولہ النساء لهن أسنان بيضاء (قاہرہ: دار اخبار الیوم، س ن)،

ص۹۷-۹۹۔

۶۲۔ احسان عبدالقدوس، ''دقیقۃ بعد دقیقۃ''، مشمولہ لمن أترك كل هذا، ص۱۰۳-۱۱۳۔

۶۳۔ مثلاً منٹو نے اپنے افسانوں ''بابو گوپی ناتھ''، ''کتاب کا خلاصہ''، ''شلجم''، ''کرچیں'' اور ''کرچیاں''، اسی طرح احسان نے اپنے افسانوں ''فتحیۃ فی لندن''، ''الدموع السوداء''، ''إلی این تاخذنی هذه الطفلۃ'' وغیرہ میں دوسری زبانوں کے الفاظ استعمال کیے۔

۶۴۔ سعادت حسن منٹو، ''سرکنڈوں کے پیچھے''، مشمولہ منٹونامہ، ص۵۴۳-۵۴۴۔

۶۵۔ احسان عبدالقدوس، ''الفیلسوف''، مشمولہ صانع الحب (قاہرہ: دار اخبار الیوم، س ن)، ص۱۵۵۔

۶۶۔ احسان عبدالقدوس، ''عذراء هولندا''، مشمولہ صانع الحب، ص۱۳-۲۲۔

۶۷۔ اپندر ناتھ اشک، ''منٹو میرا دشمن''، مشمولہ نقوش ص۳۴۵-۳۴۶۔

۶۸۔ محمد عبدالقدوس، حكايات إحسان عبد القدوس، ص۴۵-۴۶۔

۶۹۔ محمد اسد اللہ کا کہنا ہے کہ منٹو نے ۴۰ افسانے ۴۰ دنوں میں لکھے۔ دیکھیے: محمد اسد اللہ، منٹو میرا دوست (کراچی و لاہور: منٹو میموریل، ۱۹۵۵ء)، ص۳۸-۴۰۔

۷۰۔ اپندر ناتھ اشک، ''منٹو میرا دشمن''، مشمولہ نقوش، ص۳۴۶۔

۷۱۔ ان دونوں کے مابین اختلافی پہلوؤں کی تفصیل کے لیے دیکھیے: عبدالقدیر، احسان عبد القدوس وسعادت حسن منتو (دراسة مقارنة فی حقل القصة القصيرة)۔

مآخذ

ابو الفتوح، امیرۃ۔ احسان عبد القدوس يتذكر۔ مصر: الهيئة المصرية للكتاب، ۱۹۸۲ء۔

الابیاری، فتحی۔ أدباؤنا والحب۔ مصر: دار الشروق، ۱۹۷۴ء۔

اسد اللہ، محمد۔ منٹو میرا دوست۔ کراچی و لاہور: منٹو میموریل، ۱۹۵۵ء۔

اشک، اپندر ناتھ۔ ''منٹو میرا دشمن''۔ مشمولہ نقوش منٹو نمبر، شمارہ ۴۹، ۵۰ (س ن)۔

بخاری، علی ثناء۔ سعادت حسن منٹو: سوانح اور ادبی کارنامے۔ تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی، جامعہ پنجاب، ۱۹۸۴ء۔

البیلی، بثینہ۔ ''الساعات الاخیرۃ: قصۃ المرض والموت''۔ مشمولہ المصور شمارہ ۳۴۰۶ (۱۹ جنوری ۱۹۹۰ء)۔

حماد، سہیلہ زین العابدین۔ احسان عبد القدوس بين العلمانية والفرويدية۔ المدینۃ المنورۃ: دار الفجر الاسلامیۃ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء۔

الشرقاوی، محمد۔ ''اعترافات احسان عبدالقدوس''۔ مشمولہ المنهل شمارہ ۴۷۰، جلد ۵۰ (شعبان ۱۴۰۹ھ / مارچ ۱۹۸۹ء)۔

شکری، غالی۔ ''قصتی مع احسان عبدالقدوس''۔ إبداع شمارہ ۳، ۴ (مارچ اپریل ۱۹۹۰ء)۔

طفیل، محمد۔ ''منٹو''۔ مشمولہ صاحب۔ لاہور: ادارہ فروغ اردو، ۱۹۶۴ء۔

عبدالقدوس، احسان۔ الهزيمة كان اسمها فاطمة۔ مصر: مرکز الاہرام للترجمۃ والنشر، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء۔

________۔ آسف لم أعد أستطيع۔ قاہرہ: قطاع الثقافۃ، دار اخبار الیوم، س ن۔

__________۔ علی مقھی فی الشارع السیاسی ۔الفجالۃ: مکتبہ مصر، س ن۔
__________۔ دمی ودموعی وابتسامتی ۔قاہرہ: قطاع الثقافۃ، دار اخبار الیوم، س ن۔
__________۔ سیدۃ فی خدمتك ۔قاہرہ: دار اخبار الیوم، س ن ۔
__________۔ بئر الحرمان ۔قاہرہ: قطاع الثقافۃ، دار اخبار الیوم، س ن۔
__________۔ زوجات ضائعات ۔قاہرہ: دار اخبار الیوم ،س ن۔
__________۔ لا، لیس جسدك۔قاہرہ: دار اخبار الیوم، س ن ۔
__________۔ عقلی وقلبی۔قاہرہ: دار روز الیوسف، ۱۹۵۹ء۔
__________۔ لمن أترك كل هذا ۔قاہرہ: مرکز الاہرام للترجمۃ والنشر ،۱۴۲۰ھ/۱۹۹۰ء۔
__________۔ بنت السلطان۔قاہرہ: مرکز الاہرام للترجمۃ والنشر ، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸ء۔
__________۔ النساء لهن أسنان بيضاء۔قاہرہ: دار اخبار الیوم، س ن۔
__________۔ صانع الحب ۔قاہرہ: دار اخبار الیوم، س ن ۔
عبدالقدوس، محمد۔ حکایات احسان عبد القدوس ۔مصر: مکتبۃ الاسرۃ، ۲۰۰۰ء۔
______۔''لک الشکر یا ربی''۔مشمولہ احسان عبد القدوس أمس والیوم وغدا ۔مرتب زمین القویسنی ۔مصر: دیاسیک، ۱۹۹۱ء۔
عبدالقدیر۔ احسان عبد القدوس وسعادت حسن منتو(دراسة مقارنة فی حقل القصة القصیرة)۔تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی، شعبۂ عربی، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور، ۲۰۰۶ء۔
علی، کمال محمد۔ احسان عبد القدوس فی أربعین عاما ۔الفجالۃ: مکتبہ مصر، ۱۹۸۵ء۔
فوزی، محمود۔ احسان عبد القدوس بین الاغتیال السیاسی والشغب الجنسی ۔القاهرة: مكتبة مدبولی، ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء۔
قریشی، ابوسعید ۔ منٹو ۔ لاہور: مکتبہ میری لائبریری، ۱۹۸۸ء۔
قندیل، فؤاد۔ احسان عبد القدوس عاشق الحریۃ ۔مصر: الحیئۃ العامۃ لقصور الثقافۃ، ۱۹۹۷ء۔
منٹو، سعادت حسن۔ منٹو راما ۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء۔
__________۔ منٹو نما ۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء۔
__________۔ منٹو نامہ ۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء۔
__________۔ منٹو افسانے ۔ جلد دوم ۔ لاہور: نگارشات پبلشرز، ۲۰۰۷ء۔
__________۔''منٹو''۔مشمولہ سعادت حسن منٹو۔مرتب پریم گوپال متل ۔ دہلی: ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۹ء۔
__________۔''بابو گوپی ناتھ''۔مشمولہ نقوش منٹو نمبر، شمارہ ۴۹، ۵۰ (س ن)۔
__________۔ منٹو باقیات ۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء۔
__________۔ منٹو کہانیاں ۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء۔
__________۔''چند مکالمے''۔مشمولہ رتی، ماشہ، تولہ ۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء۔

انگریزی کتب

Flemming, Leslie and Tahira Naqvi. *The Life And Works of Saadat Hassan Manto.* Lahore: Vanguard Books Ltd., 1985.

Qureshi, Muhammad Akhtar. *Image of Woman in Manto's Writings*. M. A. Thesis, Department of Psychology. University of the Punjab, Lahore, 1965.